© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

اشارات

برِ عظیم ہند کے سینکڑوں اور ہزاروں نہیں بلکہ کروڑوں باشندے اور پوری دنیا کا پریس اس حقیقت پر گواہ ہے کہ تحریکِ پاکستان کے پیچھے تو کوئی سیاسی غرض کار فرما تھی اور نہ معاشی مصلحت۔ اس کا محرک صرف ایک ہی جذبہ تھا کہ مسلمانوں کو ایک ایسا الگ خطّہ ارضی مل جاتے جس میں وہ پُری آزادی کے ساتھ اسلامی نظامِ حیات نافذ کرسکیں۔ یہ جذبہ جس نے مختلف اوقات میں اپنے اظہار کے لیے مختلف تحریکات کی صورت اختیار کی، مسلمانوں کی کسی وقتی ترنگ کا نتیجہ نہ تھا، بلکہ اس کی تہ میں صدیوں کا یہ چُھپتا ہوا احساس کام کر رہا تھا کہ اُن کا اجتماعی نظام اُن خطوط پر اُستوار نہیں ہے جو اُن کے ہادی صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کے جان نثار رفقاء کار نے امتِ مُسلمہ کے لیے تجویز کیا ہے اور جسے اپنائے بغیر وہ "شہادتِ حق" کے بنیادی فرض سے بطریقِ احسن عہدہ برآ نہیں ہوسکتے۔ ہندوستان میں یہ احساس یُوں تو شروع ہی سے موجود رہا ہے لیکن اس احساس نے اکبر کے دَور میں ایک عام اضطراب اور بے چینی پیدا کردی اور اس ملک میں اسلامی تحریکات کا ایک سلسلہ شروع ہُوا۔ شاہ ولی اللہ اور اُن کی مقدس اولاد کی علمی کوششیں، شاہ اسماعیل شہیدؒ اور ان کے پاکباز ساتھیوں کی شہادت، دیوبند اور ندوہ کا قیام، تحریکِ اہلِ حدیث کی سرگرمیاں، تحریکِ خلافت اور پھر تحریکِ پاکستان کا جوش وخروش سب اسی احساس کے مختلف مظاہر ہیں۔

اب جبکہ پاکستان معرضِ وجُود میں آچکا ہے تو اسلام سے انحراف کرنے والے اس کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

محرکات کے بارے میں جو چاہیں کہتے رہیں۔ لیکن یہ امر اپنی جگہ مسلّم ہے کہ نظریۂ پاکستان کے بانی اور تحریکِ پاکستان کے قائد ہر موقع پر مسلمانوں کو یہی کہتے رہے کہ اس ملک کے قیام کا مقصد بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ یہاں اسلام کی ایک ایسی تجربہ گاہ قائم کی جائے جس سے مادّی تہذیب سے ستائی ہوئی انسانیت آرام اور سکون حاصل کر سکے۔ ہم میں سے ہر شخص کو یہ بات اچھی طرح یاد ہے کہ مذہب کی بنیاد پر جب مسلمانوں کے لیے ایک الگ خطّۂ ارضی کا مطالبہ کیا گیا تو دنیا کے بہت سے فاضل حیرت اور استعجاب کے ملے جُلے جذبات کے ساتھ پُوچھتے تھے کہ جب سکھ، عیسائی، بُدھ اور اسی طرح کی دوسری قومیں مذہبی تحفظات کے ساتھ وطنی تحریک میں شامل ہو سکتی ہیں تو آخر مسلمان ایسا کیوں نہیں کر سکتے؟ مسلمانوں کی طرف سے اس کا جواب یہ دیا جاتا تھا کہ ہم مسلمان رہتے ہوتے اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے درمیان کوئی حدِ فاصل نہیں کھینچ سکتے۔ اسلام ہمارے لیے مختلف شعبوں کی طرح کوئی ایک شعبہ نہیں بلکہ یہی ہماری ملّت کی اساس اور ہمارا جوہرِ حیات ہے۔ ہم مذہبی اندازِ فکر سے ہٹ کر کچھ سوچ نہیں سکتے اور اجتماعی زندگی کی کوئی ایسی شکل گوارا نہیں کر سکتے جو ہمارے دینی تخیلات سے مُغایر ہو۔ پاکستان کی شکل میں ایک الگ ریاست کے قیام کا اگر کوئی معقول جواز تھا تو وہ صرف یہی تھا۔ اور اسی دینی موقف کی بنا پر مسلمانوں نے بڑے جوش و خروش کے ساتھ تحریکِ پاکستان کا ساتھ دیا۔ اس تحریک کے ساتھ مسلمانوں کی دلچسپی کے کسی سیاسی و معاشی غرض پر مبنی نہ ہونے، اور سراسر مذہبی جذبے پر مبنی ہونے کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ پاکستان بنانے کی کوشش میں وہ لوگ سب سے آگے تھے جنہیں پاکستان سے کسی قسم کا کوئی دنیاوی فائدہ حاصل ہونے کی قطعاً کوئی امید نہ تھی اور جنہیں اس امر کا پُورا یقین تھا کہ انہیں بالآخر ہندوستان ہی میں رہنا ہوگا اور ہندو اس صدمہ کو کبھی بھولنے کے لیے تیار نہ ہوگا اور تحریکِ پاکستان کی حمایت کے جُرم میں وہ ان پر پوری طرح عرصۂ حیات تنگ کر دے گا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ وہ ٹھوس حقائق ہیں جن کی تصدیق صرف تاریخ کے صفحات ہی سے نہیں ہوتی بلکہ کروڑوں انسانوں کی آنکھیں ان کی شہادت دیتی ہیں۔ جس شخص نے پاکستان کا تخیل پیش کیا اُس نے بھی اپنے تصور کی بنیاد اسلام کے اسی امتیازی پہلو پر رکھی۔ پھر جس قائد کے ذریعہ اس تصور نے حقیقت کا جامہ پہنا اُس نے بھی مسلمانوں سے بار بار یہی کہا کہ وہ جو کچھ کر رہا ہے صرف دینی تقاضے کے تحت کر رہا ہے۔ اس سلسلے میں ہم سب سے پہلے تصورِ پاکستان کے بانی کی تصریحات پیش کرتے ہیں:

"اسلام کے روحانی نصب العین اور اس کے معاشرتی نظام کے درمیان بڑا گہرا ربط ہے۔ اگر ایک کو نظر انداز کر دیا جائے تو دوسرے کی خود بخود تکذیب ہو جاتی ہے۔ اس بنا پر مسلمان کسی ایسی سیاسی ہیئت کو گوارا نہیں کر سکتے جو اسلام کے اصول استحکام سے ہٹ کر ترتیب دی جائے۔[1]"

"یہ ایک افسوسناک حقیقت ہے کہ ہم ہندوستان میں آج تک کوئی ایسا اصول دریافت نہیں کر سکے جو یہاں کے باشندوں کے اندر ہم آہنگی پیدا کر دے ..... میرے نزدیک اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ ہم اس اہم حقیقت کو تسلیم کرنے سے قاصر رہے ہیں کہ ہر قوم کو اس امر کی پوری پوری آزادی ہونی چاہیے کہ وہ اپنی تہذیبی روایات کے مطابق ترقی کر سکے ..... جہاں تک میں ایک مسلمان کے ذہن کا مطالعہ کر سکا ہوں، میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اگر اسلام کے علمبرداروں کو یہ حق دے دیا جائے کہ وہ اس ملک کے اندر اپنے تہذیبی تقاضوں کو پورا کر سکیں اور اپنی روایات کے مطابق نشو و نما پا سکیں تو اس اصول میں ہمیں ایک ایسی بنیاد فراہم ہو جائے گی جس پر اس باہمی تعاون کی عمارت تعمیر کی جا سکتی ہے اور جو مسلمان کے دل میں سارے وساوس دور کر کے اُسے اس بات پر آمادہ کر سکتی ہے کہ وہ ملک کی آزادی کے

---

[1] SYED ABDUL WAHID; THOUHTS & REFLECTIONS OF IQBAL. P. 142

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیے اپنی ہر چیز قربان کر دے[۱]۔

جس شخص نے تحریکِ پاکستان کی فکری اور عملی رہنمائی کی اُس نے بھی پاکستان کی اساس اور اُس کے نصب العین کے بارے میں نہایت واضح طور پر مندرجۂ ذیل الفاظ کہے ہیں۔ ۲۶ جنوری ۱۹۴۸ء کو کراچی بار ایسوسی ایشن کے ایک استقبالیہ میں تقریر کرتے ہوئے قائداعظم نے جو اس وقت گورنر جنرل بھی تھے ارشاد فرمایا:

"میں اس طبقے کے غلط پراپیگنڈے کی وجہ نہیں سمجھ سکا جو محض شرارت کے طور پر لوگوں کے اندر یہ غلط بات پھیلا رہا ہے کہ پاکستان کے دستور کی اساس شریعت پر نہ ہو گی۔ اسلام کے اصول بے مثال اور لافانی ہیں، اور ان کا آج بھی انسانی زندگی سے اتنا ہی گہرا تعلق ہے جتنا کہ تیرہ سو سال پہلے تھا۔ . . . . اسلام صرف چند رسوم روایات اور روحانی اقدار کا بے جان مجموعہ نہیں ہے۔ اسلام ہر مسلمان کے لیے ایک ایسا ضابطۂ حیات ہے جو اُس کی روزمرہ کی زندگی کو ہی منضبط نہیں کرتا بلکہ معیشت اور سیاست کو ایک خاص نہج پر ترتیب دیتا ہے۔" (پاکستان ٹائمز)

پاکستان کا اسلامی نصب العین اتنا واضح ہے کہ بڑے بڑے متعصب مستشرقین تک نے بھی اس تحریک کے محرکات کا جائزہ لیتے ہوئے اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے کہ اس تحریک کا سب سے بڑا محرک احیاء اسلام تھا۔ مشہور مستشرق کینٹ ول سمتھ اسی موضوع پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"اسلام کا مزاج اور اس کی روایات اس حقیقت کی آئینہ دار ہیں کہ یہ ایک عملی مذہب ہے جو اخلاق کی بنیاد پر قائم ہے۔ اس کے دائرۂ اخلاق میں معاشرتی اخلاق، تنظیمی اور قانونی اخلاق سب آ جاتے ہیں۔ ایک مسلمان اسے یوں تعبیر کرتا

---

[۱] حوالہ سابقہ ص ۱۴۸-۱۴۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے "اسلام ایک نظامِ زندگی ہے"۔

(پاکستان ایک اسلامی ریاست کی حیثیت سے ۔ ص ۲۴)

"اسلام کو اپنی اجتماعی اور معاشرتی تعلیمات کے نفاذ کے لیے ایک ریاست بھی درکار ہے ۔ ہندوستانی مسلمانوں نے پاکستان کو اس لیے قائم کیا تاکہ وہ اسلام کے مطابق زندگی بسر کر سکیں"۔ (کتاب مذکور ص ۲۸)

کیتھ کیلارڈ اپنی کتاب "پاکستان ۔ ایک سیاسی مطالعہ" میں اسلام اور سیاست کے عنوان کے تحت پاکستان کے پس منظر پر بحث کرتے ہوئے کہتا ہے:

"قومی ریاست اور حکومت خود اختیاری کی بنیاد جغرافی، معاشی اور ثقافتی وحدت ہے ۔ ہندی مسلمانوں نے اس وحدت کے برعکس اپنی قومی تمناؤں کا مظہر مذہب کو قرار دیا اور اسی بنیاد پر ایک الگ خطۂ ارضی کا مطالبہ کیا ۔ اس مطالبے نے مغربی ذہنوں میں مسلمانوں کی تنگ نظری اور تعصب کے عجیب و غریب تصورات کو جنم دیا جیسے جہاد، مہدی کی آمد، سلطنتوں کی تاخت، تلوار کے زور سے کفار کو دائرۂ اسلام میں داخل کرنا، اور بتوں اور غیر مسلموں کی عبادت گاہوں کا انہدام۔ مسلمانوں کے برعکس کانگرسی رہنما گلیڈسٹون اور ولسن کی زبان میں اپنی قومیت اور آزادی کے حق میں دعاوی پیش کر رہے تھے ۔ وہ معاشی، فوجی، جغرافیائی اور تاریخی نقطۂ نظر سے اپنے ان دعاوی کے حق میں مضبوط دلائل بھی رکھتے تھے مگر مسلمانوں کے نزدیک اسلام کی دلیل ان سب سے زیادہ قوی تھی اور جب ان دو قسم کے دعووں کے درمیان انتخاب کا مرحلہ پیش آیا تو مسلمانوں کی عظیم اکثریت نے معاشی اور جغرافیائی بنیادوں کو یکسر نظر انداز کر کے اسلام کی بنیاد پر پاکستان کے حق میں رائے دی ۔ یہ وہ فیصلہ ہے جو بہت سے غیر مسلموں کے لیے ایک معما ہے ۔ بیسویں صدی کے ایک انسان کے لیے جس نے مسیحی روایات کی آغوش

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں پرورش پائی ہو، مذہب اور سیاست اپنے مزاج کے اعتبار سے حیاتِ انسانی کے دو الگ شعبے ہیں لیکن مسلمان کی نظر میں دونوں کے درمیان کوئی تفریق و تعارض نہیں۔ مسیحیت کے بانیؑ نے ایک ایسی قلمرو کو تسلیم کیا جو سیزر کے حصے میں شامل تھی اس لیے وہ سیاسی ہیئت اور تنظیم سے بالکل بے گانہ رہے لیکن اُن کے برعکس پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ریاست کی بنا رکھی اور پھر حکومت کے اصول وضع کرنے اور اس کے معاملات کو چلانے میں پوری پوری دلچسپی لی (ص ۱۹۵)

اسی طرح ایک دوسرے مصنف سٹیفنز نے اپنی تصنیف "پاکستان" میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے:

"پاکستان جنوبی ایشیا کی ایک ایسی آزاد ریاست کا نام ہے جو ساڑھے نو کروڑ باشندوں پر مشتمل ہے اور جو ۱۹۴۷ء میں ایک مذہبی اور تہذیبی مقصد کے حصول کے لیے معرضِ وجود میں آئی۔ اس ریاست کے پیچھے یہ جذبہ کارفرما تھا کہ انگریزی استعمار کے چنگل سے آزاد ہونے کے بعد ہندی مسلمانوں کو ایک ایسا آزاد خطۂ ارضی میسر آ جائے جہاں وہ ہندوؤں سے الگ ہو کر اسلامی ماحول میں زندگی بسر کر سکیں۔ اس نقطۂ نظر سے اگر دیکھا جائے تو پاکستان ایک عجیب و غریب مملکت ہے جو مذہب کی اساس پر قائم ہوئی ہے۔ پاکستان کی اس امتیازی حیثیت کو اہلِ مغرب پوری طرح سمجھنے سے قاصر ہیں اور اس لیے انہوں نے اس کی طرف وہ توجہ نہیں دی جس کی یہ فی الواقع مستحق ہے۔" ص ۱۳

ان گزارشات سے یہ حقیقت پوری طرح واضح ہو گئی ہو گی کہ پاکستان صرف اسلام کی بنیاد پر معرضِ وجود میں آیا۔ جس شخص نے اس کا تصور پیش کیا، جس نے اس تصور کو حقیقت میں تبدیل کیا، جن بے شمار لوگوں نے اس کی تعمیر میں حصہ لیا، اور دنیا بھر کے جن لوگوں نے اسے بنتے دیکھا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اُن سب کے نزدیک اس مملکت کی اساس اسلام ہی ہے یہ حقیقت سورج سے بھی زیادہ روشن اور تابناک ہے اور اسے غیر مسلموں تک نے مانا ہے۔

پاکستان کے قیام کے بعد ایک مختصر سے طبقے نے اپنی مخصوص اغراض کے تحت مسلمانوں کے ذہنوں میں اس ملک کی اسلامی حیثیت کے بارے میں مختلف قسم کی بدگمانیاں پھیلا کر انتشار پیدا کرنے کی کوشش کی اور انہیں اسلام سے ہٹا کر بعض دوسری راہوں پر چلنے کی ترغیب دی لیکن مسلم عوام نے ان کی ساری کوششوں کو بالکل ناکام بنا کر رکھ دیا۔ ان کے نزدیک اسلام کے بغیر پاکستان کا وجود بالکل بے معنی تھا۔ وہ اس بات کا تصور بھی نہ کر سکتے تھے کہ اس خطۂ پاک میں اسلام کے سوا کوئی دوسرا نظام بھی نافذ کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ جس وقت فتنہ پردازوں کی ناپاک سرگرمیاں اُن کے سامنے آئیں وہ فوراً چونک پڑے اور انہوں نے یہ محسوس کیا کہ اُن کے ساتھ اسلام کے دشمن کوئی خطرناک کھیل کھیلنے کا ارادہ کر رہے ہیں اور اُن سے اُن کی نہایت قیمتی متاع چھیننے کے درپے ہیں۔ وہ چوکنے ہو گئے اور انہوں نے ملک کی دستور ساز اسمبلی سے پُوری شدّت کے ساتھ تقاضا کیا کہ وہ گومگو اور تذبذب کا انداز ترک کر کے اس ملک کی اسلامی حیثیّت کے بارے میں کوئی قطعی اور حتمی فیصلہ کرے۔ اس مطالبے نے اتنا زور پکڑا کہ دستور ساز اسمبلی کو بالآخر نہایت واضح الفاظ میں قرارداد مقاصد پاس کرنا پڑی جس میں پاکستان کی اسلامی حیثیت کو تسلیم کر کے اُس کے دینی عزائم کی صراحت کر دی گئی تھی۔ اس قرارداد میں یہ بات پُوری طرح طے ہو گئی کہ کائنات پر جس مالک الملک کی حاکمیت قائم ہے، پاکستان میں اسی کی حاکمیت پورے شعور کے ساتھ مان کر اس امر کا اقرار کیا جاتا ہے کہ اُس ذاتِ بے ہمتا نے باشندوں کو جو اختیارات تفویض کیے ہیں انہیں ایک مقدس امانت سمجھ کر استعمال کیا جائے گا۔ اس ریاست کا انتظام و انصرام عوام کے نمائندوں کے ہاتھ میں ہو گا، اور اس میں اس بات کی پوری کوشش کی جائے گی کہ مسلمانوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو قرآن و سُنّت کے مطابق ڈھالا جائے اور اسلام نے جمہوریت، آزادی، مساوات، رواداری اور اجتماعی عدل کے جو اصول دیئے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں انہیں معاشرے میں پوری طرح نافذ کیا جائے۔

اس قرارداد کو پیش کرتے ہوئے لیاقت علی خاں مرحوم نے بڑے واضح الفاظ میں اس امر کی صراحت کی کہ پاکستان اسلام کے معاملے میں غیر جانبدارانہ حیثیت اختیار نہیں کر سکتا، کیونکہ یہ ملک مسلمانوں کے اس عزم اور ارادے کے نتیجے میں قائم ہوا ہے کہ وہ اسلامی تعلیمات اور روایات کے مطابق اپنی زندگی بسر کر سکیں اور دنیا پر اپنے عمل کے ذریعہ یہ ثابت کر دیں کہ انسانیت کو آج جو عوارض لاحق ہیں اُن کے لیے اسلام اکسیر کا حکم رکھتا ہے۔

قراردادِ مقاصد کے نو سال بعد ۲۳ مارچ ۱۹۵۶ء کو پاکستان کا دستور مرتب ہوا جس میں اس امر کا واضح اعلان کیا گیا کہ پاکستان ایک اسلامی جمہوریہ ہے اور یہ ریاست اسی حیثیت سے اپنے فرائضِ منصبی ادا کرے گی۔ اس دستور میں جو رہنما اصول طے کیے گئے ان سے پاکستان کے مقصد اور منہاج کا اچھی طرح اندازہ ہو سکتا ہے۔ اُن اصولوں کے اندر یہ فیصلہ ہوا:

- اس ملک میں ایسے مواقع بہم پہنچائے جائیں گے جو مسلمانوں کے لیے قرآن و سنّت کے مطابق حیاتِ انسانی کے حقیقی مقصد اور نصب العین سے پوری طرح آشنا ہونے میں ممد و معاون ثابت ہوں۔
- قرآن کی تعلیم لازمی ہو گی۔
- باشندگانِ ملک کے اندر اتفاق و اتحاد قائم کرنے کی کوشش کی جائے گی اور اس امر کا اہتمام ہو گا کہ مسلمان اسلام کے عطا کردہ معیارِ اخلاق کو اپنائیں۔
- مسلم ممالک کے مابین اخوت کے رشتے استوار کیے جائیں گے۔
- زکوٰۃ کا نظام قائم کیا جائے گا اور اوقاف کی اسلام کے مطابق تنظیمِ نو کی جائے گی۔
- ملک میں کوئی ایسا قانون وضع نہیں کیا جائے گا جو قرآن و سنّت کی تعلیمات سے متصادم ہو اور مروجہ قوانین کو آہستہ آہستہ قرآن و سنّت کے مطابق تبدیل کیا جائے گا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس طرح پاکستان کی دستور ساز اسمبلی نے مملکت کے آئندہ عزائم کے بارے میں تو قطعی فیصلہ کر دیا لیکن برسرِ اقتدار طبقے نے جو سازشوں کے ذریعہ اس ملک پر عوامی تائید کے بغیر مسلط رہنے کا عزم کر چکا تھا، اس دستور کو ناکام بنانے کی پوری پوری کوشش کی۔ اس ملک میں اسلام کے لیے اس سے بڑا حزنیہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ نئے دستور کے تحت یہاں وہ شخص صدر بننے میں کامیاب ہو گیا جسے اسلام سے قطعاً کوئی دلچسپی نہ تھی، بلکہ وہ مذہب اور سیاست کو مغرب کی تقلید میں الگ الگ رکھنے پر تُلا بیٹھا تھا۔ اُس کی اِس مریضانہ ذہنیت کا اندازہ اس کے ایک مضمون سے لگایا جا سکتا ہے جو ۷ فروری ۱۹۵۵ء کے نیویارک ٹائمز میں شائع ہوا تھا۔ اس میں وہ اللہ کے دین کے متعلق اپنے جذبات کا اظہار ان الفاظ میں کرتا ہے کہ "ہم اسلام کے معاملے میں دیوانے تو نہیں ہو سکتے"۔

محلاتی سازشوں کا سلسلہ وقت گزرنے کے ساتھ زور پکڑتا گیا اور حکومت کے ایوانوں سے اُن لوگوں کو چُن چُن کر باہر نکال دیا گیا جو اس دستور کی ترتیب و تسوید کے ذمہ دار تھے اور جن سے جائز طور پر توقع کی جا سکتی تھی کہ وہ اسے نافذ بھی کریں گے۔ ان کی جگہ ایسے لوگ لائے گئے جو اس دستور کے دل وجان سے دشمن تھے اور اُسے ناکام بنانے کے لیے سخت بیتاب تھے۔ یہ لوگ بار بار دستور کی حدود کو توڑتے، اس کے تقاضوں کو جان بوجھ کر نظر انداز کرتے اور اس کے خلاف بالکل کھلم کھلا ایسی کارروائیاں کرتے جس سے اس کی وقعت اور احترام کو صدمہ پہنچے۔ عوام کے لیے برسرِ اقتدار گروہ کی یہ ریشہ دوانیاں ناقابلِ فہم تھیں اس لیے ملک کے اندر ایک عام بے چینی پھیلنے لگی اور حکومت اور عوام میں باہمی تعاون کے بجائے بے اعتمادی بڑھنے لگی۔ آخر کار یہ آویزش ۷ اکتوبر ۱۹۵۸ء کو مارشل لا کے نفاذ پر منتج ہوئی اور فوجی انقلاب نے دستور کی پوری بساط کو لپیٹ کر رکھ دیا۔

---

۱۲ فروری ۱۹۶۰ء کو نئی حکومت کی طرف سے دستوری معاملات کا جائزہ لینے کے لیے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک کمیشن مقرر کیا گیا جس نے بڑی تحقیق کے بعد ۱۹۶۱ء میں اپنی سفارشات پیش کیں۔ اس کمیشن نے، جو نامور ججوں اور دوسرے فضلاء پر مشتمل تھا، مملکتِ پاکستان کے مقصد کے متعلق نہایت واضح الفاظ میں یہ کہا:

"ہمارے پاس ایک ایسا نصب العین ہے جس کی روشنی میں ہم ایک مثالی فلاحی ریاست قائم کر سکتے ہیں۔ تاریخ اس امر کی شاہد ہے کہ یہ کوئی خواب نہیں بلکہ اسلام کے ابتدائی ایام میں عالمِ واقعات میں ایک ایسی ریاست قائم ہو چکی ہے۔ اگر موجودہ نسل اسلام کی حقانیت اور افادیت کے متعلق کچھ شکوک و شبہات رکھتی ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اسلامی تعلیمات کی آفاقی نوعیت کو سمجھنے سے قاصر ہے اور اسلامی تاریخ سے ناواقف ہے۔ اس مرض کا علاج اسلام کو پسِ پشت ڈالنا نہیں بلکہ نئی نسل کو اسلام کے اصولوں اور اسلامی تاریخ سے آشنا کرنا ہے۔ جو لوگ بڑی بے ساختگی سے پاکستان کے بارے میں سیکولرزم کا اظہار کرتے ہیں وہ شاید اس حقیقت کو بھول جاتے ہیں کہ محض الفاظ کی تبدیلی سے کسی فرد یا قوم کا طرزِ عمل تبدیل نہیں ہو سکتا۔ ہماری اصلاح کی اگر کوئی صورت ممکن ہو سکتی ہے تو وہ یہ ہے کہ ہم اسلام کے سرچشمہ سے فیض یاب ہوں۔ مغرب کا سیکولرزم جو ہماری نئی نسل کے لیے اپنے اندر جاذبیت رکھتا ہے، اس کی نشو و نما اُس دور کے نظم و ضبط کی بنا پر ہوئی جب اُن ممالک میں مذہب ایک فیصلہ کُن قوت کی حیثیت رکھتا تھا۔ اسلام نے معاشرتی فلاح کے جو معیار ہمیں دیئے ہیں وہ مغرب کے معیارات سے کسی طرح کم نہیں۔ اگر ہم اسلامی اصولوں کو دل و جان سے اپنانے کے لیے تیار نہیں ہوتے تو محض نام سے کوئی خاص فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا۔" (ص ۱۲۱)

اسی طرح قانون کی اصلاح کے لیے ۲۳ نومبر ۱۹۵۸ء کو جناب جسٹس ایس۔ اے رحمن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی صدارت میں ایک کمیشن کی تشکیل کی گئی تھی۔ اُس نے ۲۷ اگست ۱۹۵۹ء کو جو رپورٹ پیش کی، اُس میں بھی اس حقیقت کا کھلا اعتراف موجود ہے کہ پاکستان کی عظیم اکثریت اس ملک میں صرف اسلامی دستور کے نفاذ کی آرزومند ہے۔ چنانچہ کمیشن کے فاضل ارکان اس موضوع پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اس ملک کی اکثریت اسلام پر ایمان رکھتی ہے۔ وہ قدرتی طور پر حالات کے اندر ایسے تغیرات کی متمنی ہے جو اُس کے ماحول کو اسلامی تعلیمات سے ہم آہنگ کر دے۔ سابق دستور میں ایسی دفعات موجود تھیں جن کے پیشِ نظر یہ مقصد تھا اور جو اقلیتوں کو مذہبی اور ثقافتی آزادی بھی دیتی تھیں۔ اس ملک کے مسلمانوں نے انفرادی اور اجتماعی طور پر وقتاً فوقتاً اس بات کا مطالبہ کیا ہے کہ ملکی قوانین کی اہل اور قابل افراد سے پوری طرح چھان بین کروائی جائے اور دستور سے اُن دفعات کو قلمزد کر دیا جائے جو کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہیں۔ ہم ملک میں جس جگہ بھی گئے وہاں ہم نے اسی قسم کے مطالبات اُن لوگوں کی زبان سے سنے جو ہمارے سامنے بطور گواہ پیش ہوئے۔" (ص۵)

کسی ملک کی تعمیر میں تین عناصر فیصلہ کن اہمیت کے حامل ہیں۔ سب سے پہلے عوام جو اُس کی قوت و طاقت کا حقیقی مظہر ہیں اور جن کے عزائم اور ارادوں کی عکاسی ارسطو کے الفاظ میں ملک کا آئین اور دستور کرتا ہے۔ ملک کی دوسری قوت عدلیہ ہے جو اس امر کا فیصلہ کرتی ہے کہ کیا انتظامیہ حق اور انصاف کے ساتھ ملکی دستور کے مطابق مملکت کا کاروبار چلا رہی ہے اور اُن امنگوں کی تکمیل کے لیے صحیح طریقے سے کوشاں ہے جن کا اظہار دستور میں کیا گیا ہے۔

جہاں تک عوامی رجحانات کا تعلق ہے ہم نے گزشتہ صفحات میں ان کا پوری تفصیل سے ذکر کیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ ان رجحانات کو جب بھی عوامی نمائندوں کے ذریعہ اظہار کا موقع ملا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور انہوں نے دستور کی زبان اختیار کی تو ہر مرحلہ پر یہی طے کیا گیا کہ اس ملک کی اساس اور بنیاد صرف اسلام ہے۔ اسلام نے اس ملک کو جنم دیا، اسی کی مقناطیسی کشش ملک کے دونوں بازوؤں کے درمیان اتحاد کا واحد ذریعہ ہے اور اسلامی نظام کا قیام ہی وہ واحد نصب العین ہے جو یہاں کے مسلمانوں کو ترقی اور کامیابی کے راستہ پر لگا سکتا ہے۔ چنانچہ اسلام سے انحراف کی خفیف کوششیں بھی کی گئیں وہ سب ناکام ہو کر رہ گئیں اور نئے آئین اور دستور کے مطابق ایک مرتبہ پھر یہ حقیقت کھل کر سامنے آگئی ہے کہ پاکستان کی منزل صرف اسلام ہی ہے۔ اس ایک منزل کے سوا ہر دوسری منزل یہاں کے باشندوں کو سرگرم عمل کرنے کے بجائے بالکل مفلوج بنا کر رکھ دے گی۔

اسلامی نظام کہاں تک قابلِ عمل ہے؟ اس ملک کے لیے یہ کیوں ایک بنیادی ضرورت کی حیثیت رکھتا ہے؟ اس کے اپنانے میں ہمیں کونسے روحانی، اخلاقی اور دنیوی فوائد حاصل ہو سکتے ہیں؟ اور اسے نظر انداز کرنے سے ہم کونسے مصائب کی لپیٹ میں آجائیں گے؟ یہ اور اس نوعیت کے دوسرے سوالات کے جوابات کے لیے ہم اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے بلکہ ملکی عدلیہ کے بعض نہایت اونچے عہدیداروں کے افکار پیش کرتے ہیں، تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ یہاں کا سوچنے اور سمجھنے والا ذہین طبقہ، جس کا ملک کی نبضوں پر ہاتھ ہے، اس نظام کے متعلق کیا رائے رکھتا ہے اور اس کے اپنانے پر کتنا زور دیتا ہے۔ اس سلسلے میں ہم سب سے پہلے ملک کی سب سے بڑی عدالت کے سربراہ جناب اے۔ آر۔ کارنیلیس کے خیالات پیش کرتے ہیں۔ اس ضمن میں یہ ذہن نشین رہے کہ صاحبِ موصوف رومن کیتھولک عیسائی ہیں لیکن انہوں نے ایک با انصاف اور دیانتدار انسان کی طرح اس ملک کے لیے جس دستور کو سب سے زیادہ مفید اور قابلِ عمل سمجھا ہے اور جسے اہلِ پاکستان کے مزاج کے عین مطابق اور اُن کی قومی امنگوں کا مظہر پایا ہے اُس کی تائید میں بڑی صحت اور صفائی کے ساتھ اپنے دلائل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پیش کیے ہیں:

"قانون کی اطاعت کا جذبہ اس وقت اُبھرتا ہے جب دل میں قانون کے لیے جذبۂ احترام موجود ہو۔ احترام ایک خود رو جذبہ ہے جو دل کی گہرائیوں سے پھوٹتا ہے وہ اپنے اظہار کے لیے کسی خارجی محرک کا محتاج نہیں۔ ہمارے دل میں صرف اسی قانون کا احترام پیدا ہو سکتا ہے جو ہمارے احساسات کے مطابق ہو۔ اگر ہم پاکستان میں قانون کی حکمرانی قائم کرنا چاہتے ہیں تو پھر ہمیں اس نظامِ قانون کو نافذ کرنا ہوگا جسے عامۃ الناس پسند کرتے ہوں۔ اور یہ نظام اسلامی قانون ہے۔ اہلِ پاکستان اپنے دلوں میں اسلامی قانون کے لیے بے پناہ محبت رکھتے ہیں۔ وہ اس کے لیے شدت کی پیاس محسوس کر رہے ہیں اور یہ پیاس ہر لحظہ بڑھتی رہے گی۔ اسلامی قانون کے نفاذ سے اس ملک کی قانونی زندگی میں ایک خوشگوار انقلاب جنم لیگا۔"

فاضل چیف جسٹس نے اس قانون کے عملی پہلوؤں کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"اس قانون کا نفاذ آسان ہے۔ عدالتیں موجود ہیں۔ عدالتوں کا نظام موجود ہے۔ افراد قانونی ضابطوں کے عادی ہیں۔ بس صرف ضرورت اس بات کی ہے کہ اسلامی قانون کو اس طرح مدوّن کر دیا جائے کہ اُسے سمجھنا اور اُس کے مطابق فیصلہ کرنا آسان ہو۔ اگر قانون کے ماہرین اور اہلِ علم و فضل اس کام کو اپنے ہاتھ میں لے لیں تو اسلامی فقہ کے ذخائر، قضاۃ کے عدالتی فیصلوں اور قانونی نظائر سے استفادہ کرتے ہوئے اسلامی قانون کو مربوط اور قابلِ فہم صورت میں جمع کیا جا سکتا ہے۔ اگر انگریزی قانون پر لائبریریاں تیار ہو سکتی ہیں تو آخر اسلامی قانون پر اسی نوع کا کام کیوں نہیں ہو سکتا۔"

جناب اے۔ آر۔ کارنیلیس نے اس امر کی بھی تردید کی کہ انگریزی قانون کی جگہ جب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسلامی قانون کو نافذ کیا جائے گا تو اس سے ایک ذہنی خلا محسوس ہونے لگے گا۔ اس سلسلے میں اُن کے ارشادات گہرے غور و فکر کے محتاج ہیں:

"اسلامی قانون کسی دَور میں بھی زندگی سے کٹا نہیں۔ اس قانون کی ایک تاریخ ہے، اس کا ایک پس منظر ہے، اس قانون کے بل بوتے پر بڑی بڑی سلطنتیں چلتی رہی ہیں اور ماضی قریب میں بھی یہ قانون عدالتوں میں رائج رہا ہے۔ اس اعتبار سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ اسلامی قانون تسلسل کی تمام کڑیاں رکھتا ہے۔ اگر آپ اسلامی قانون کو جدید طرز پر مدوّن کرنے میں کامیاب ہو جائیں تو اس کے مطابق مقدمات کا فیصلہ کرنے میں کوئی ذہنی خلاء پیدا نہیں ہو گا۔ جب اسلامی قانون کی کتابیں وکلاء بھی پڑھیں گے اور جج صاحبان بھی، تو پھر یہ قانون ہماری قانونی فضا میں رچ بس جائے گا۔"

صاحبِ موصوف نے پھر اس امر کی بھی صراحت کی ہے کہ اقلیتوں کو اسلامی نظام کے قیام سے قطعاً خائف نہ ہونا چاہیے، کیونکہ "اسلام اقلیتوں کے جان، مال، حقوق اور شخصیت کی نشو و نما کی ضمانت دیتا ہے۔"

فاضل چیف جسٹس نے اُن لوگوں کے خدشات کو بھی بالکل بے بنیاد ٹھیرایا ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ فقہی اختلافات کی موجودگی میں اسلامی قانون کا نفاذ کبھی ممکن نہیں ہو سکتا۔ اُن کا ارشاد ہے:

"یہ اختلافات اس وقت تک نظر آتے ہیں جب تک کوئی عملی قدم نہ اٹھایا جائے۔ بحث و تمحیص کے بعد ایک ذی فہم آدمی بڑی آسانی سے فیصلہ کر سکتا ہے کہ کونسی دلیل اور کونسی رائے زیادہ وزنی ہے۔ جب زندگی میں تنوع اور ارتقاء پایا جاتا ہے تو پھر قانونی تعبیرات میں اختلافات ایسی کونسی غیر فطری بات ہے[1]۔"

صاحبِ موصوف قانون سازی کے معاملے میں کسی قوم کے مزاج اور تاریخی روایات

[1] یہ سارے اقتباسات جنوری ۱۹۶۴ء کے اُردو ڈائجسٹ سے لیے گئے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو اتنا ضروری سمجھتے ہیں جتنا کہ زندگی کے لیے رُوح ضروری ہے۔ ابھی چند روز ہوئے ایک اخبار میں جناب جسٹس سجاد احمد جان کا انٹرویو شائع ہوا ہے جس میں انہوں نے جسٹس کارنیلیس کی اس تجویز کا والہانہ خیر مقدم کیا ہے کہ "دستور میں جو بنیادی حقوق دیئے گئے ہیں انہیں عربی زبان میں لکھا جانا چاہیے، کیونکہ ان کے نزدیک ایسا کرنے سے اس میں تقدس پیدا ہو جائیگا"[1]

کسی قوم کے اندر وہی قانون اپنے لیے جذبۂ احترام پیدا کر سکتا ہے جو اُس کے اجتماعی ضمیر کا نہ صرف آئینہ دار ہو بلکہ اس کا محافظ اور پاسبان بھی ہو، جس کی عملداری سے معاشرے کے اندر اُن اخلاقی اقدار کو تقویت پہنچے جنہیں یہ معاشرہ بحیثیت مجموعی نشو و نما دینے کی تمنا رکھتا ہو اور جس کی مدد سے اُن برائیوں کو مٹایا جا سکے جنہیں معاشرہ مٹانا چاہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی قانون کہیں سے لا کر کسی دوسری قوم پر کامیابی کے ساتھ ٹھونسا نہیں جا سکتا۔ اور جب کبھی اس قسم کی حماقت کی گئی تو سخت ناکام ثابت ہوئی۔ "قانون اپنی کامیابی کے لیے اپنی پُشت پر اخلاقی قوت کا سہارا چاہتا ہے۔ اس قوت سے بے نیاز ہو کر جتنے قانون بھی وضع کیے جائیں گے وہ دلوں پر حکومت نہیں کر سکیں گے"[2] اس نقطۂ نظر سے اگر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ قانون اور ضابطۂ اخلاق کے درمیان چولی دامن کا ساتھ ہے۔ دنیا کی ہر قوم اُسی قانون کو دل و جان سے قبول کرتی ہے جو اُس کے نظامِ اخلاق سے ہم آہنگ ہو

پاکستان کے مسلمان خواہ عمل کے اعتبار سے اسلامی اخلاق کا نمونہ نہ ہوں لیکن اُن کے ضمیر کی گہرائیوں میں جس ضابطۂ اخلاق سے گہری مناسبت ہے وہ اسلام کا نظام اخلاق

(باقی ص ۶۵ پر)

---

[1] روزنامہ مشرق - ۹ مئی ۱۹۶۵ء

[2] یہ الفاظ جناب محبوب مرشد چیف جسٹس مشرقی پاکستان ہائی کورٹ نے ایک انٹرویو میں ارشاد فرمائے۔ بحوالہ: اردو ڈائجسٹ، اگست ۱۹۶۴ء۔

© rasailojaraid.com